پروفیسر اختر راہی

مولانا غلام رسول مہرؒ

ایک اقبال شناس

"علامہ اقبال کے دیرینہ رفیق اور مخلص ہم نشین[1] مولانا غلام رسول مہر جالندھر کے قریب ایک گاؤں پھو... میں ۱۵ اپریل ۱۸۹۵ء[2] کو پیدا ہوئے۔ اُن کے آباو اجداد کا پیشہ کھیتی باڑی تھا۔ مولانا مہر کے دادا نظام ال... عرف کالے خان اور والد ماجد محمد علی خان پھول پور کے اچھے زمینداروں میں شمار ہوتے تھے۔ اس عزت... وجاہت کے باوجود مولانا مہر کے خاندان میں بہت کم افراد پڑھے لکھے تھے حتّٰی کہ دادا اور والد بھی پڑھنا... نہ جانتے تھے۔

مولانا مہر کی تعلیم کا آغاز پھول پور سے ایک میل کے فاصلے پر موضع کھامرا کے مدرسے میں ہوا۔ ... سے اردو پرائمری کا امتحان پاس کر کے مشن ہائی سکول جالندھر میں داخل ہوئے۔ مولانا مہر کی عمر بمشکل... سال کی تھی کہ ۳ اپریل ۱۹۰۶ء کو ان کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ والد مرحوم کی خاص زندگی میں سب... مقصد یہ تھا کہ ان کی اولاد زیور تعلیم سے آراستہ ہو، چنانچہ مرحوم نے بستر مرگ پر مہر صاحب کے ماموں ...

۱؎ کلیات اقبال (فارسی) - ابتدا۔

۲؎ ۳۱ مارچ ۱۹۴۲ء کے ایک خط بنام محمد عبداللہ خان خویشگی میں مولانا مہر نے اپنی تاریخ پیدائش ... لکھی ہے (بوستان قلم ص ۱۳۱) غالباً اسی حوالے سے ابوسلمان شاہ جہان پوری نے یہ تاریخ پیدائش اپنے مضمون میں نق... (تحریک نظم جماعت، ص ۲۲۰) - اس خط میں مولانا مہر نے لکھا ہے۔

" مجھے اپنے حالات سے کبھی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی اور نہ ان میں دلچسپی کی کوئی چیز تھی کہ تحقیق و کاو... زحمت گوارا کی جاتی۔"

اس کے کئی سال بعد انھوں نے اپنی تاریخ پیدائش ۱۵ اپریل ۱۸۹۵ء لکھی ہے۔ (مکتوب مہر "جنگ" راولپنڈی بابت ۲۳ نومبر ۱۹۷۱ء)۔

والدہ کو بلا کر صرف ایک وصیت کی اور وہ یہ تھی کہ بیٹے کی تعلیم میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

مولانا مہر ایک ہونہار طالب علم تھے۔ اُن کا حافظہ ابتدا ہی سے بہت اچھا تھا۔ جماعت میں اول نمبر رہتے تھے۔ آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے کہ شعر کہنے لگے۔ جالندھر کی بستی غزاں میں ایک عالم و فاضل بزرگ مولانا محمد سلیم رہتے تھے۔ شعر گوئی کا بہت اچھا مذاق رکھتے تھے اور عربی و فارسی زبانوں پر انھیں قدرت حاصل تھی۔ مولانا مہر اپنے ایک ہم جماعت کے ہمراہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں اپنی غزلیں دکھائیں۔ مولانا محمد سلیم نے کم سن شاعر کا تخلص مہر تجویز کیا۔

مولانا مہر نے ۱۹۱۰ء میں مشن ہائی سکول جالندھر سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اسی سال اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ حساب میں کمزور ہونے کی وجہ سے ایف۔ اے میں ایک سال ناکام رہے، آخر سنہ ۱۹۱۲ء میں اسلامیہ کالج کے طالب علم کی حیثیت سے پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کی سند لی۔

مولانا مہر بی۔ اے کر کے حیدر آباد دکن چلے گئے اور وہاں کے شعبۂ تعلیم میں انسپکٹر مدارس ہو گئے۔ چار سال کی ملازمت کے بعد ۱۹۲۰ء میں واپس وطن آئے۔ تحریک خلافت کا زمانہ تھا۔ موصوف نے فعال کارکن کے طور پر کام کیا اور جالندھر شہر کی خلافت کمیٹی کے سیکرٹری رہے۔ اسی زمانے میں ایک اخبار جاری کرنے کا پروگرام بنایا اور اس مقصد کے لیے لاہور آ گئے۔ پروفیسر سید عبدالقادر مرحوم (اسلامیہ کالج لاہور) سے ملاقات کی تو انھوں نے مشورہ دیا کہ ذاتی اخبار جاری کرنے سے پہلے کچھ عرصہ کسی دوسرے اخبار میں کام کر کے تجربہ حاصل کر لینا چاہیے۔ چنانچہ مولانا مہر ۱۹۲۱ء میں روزنامہ "زمیندار" سے منسلک ہو گئے۔ ان کے شامل ادارہ ہونے سے پہلے "زمیندار" کے مدیر مولانا عبدالمجید سالک گرفتار ہو چکے تھے۔ جب مولانا مہر کی والدہ کو معلوم ہوا کہ ان کا فرزند ایسا خطرناک ذریعۂ معاش اپنا رہا ہے جس میں جیل بھی جانا پڑتا ہے تو انھوں نے مخالفت کی۔ چنانچہ مولانا مہر نے چند ہی ماہ بعد "زمیندار" سے علیحدگی اختیار کر لی۔

یہ صورت حال دیکھ کر "زمیندار" کے منیجر شفاعت اللہ خان اور مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش جالندھر گئے اور مولانا مہر کی والدہ ماجدہ کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ اپنے فرزند کو اخبار میں کام کرنے کی اجازت دیں چنانچہ مولانا مہر دوبارہ فروری ۱۹۲۲ء میں "زمیندار" کے ادارۂ تحریر میں شامل ہوئے۔

علامہ اقبال سے تعارف

علامہ اقبال انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے سالانہ جلسوں میں فروری ۱۹۰۰ء کے جلسے سے نظمیں

پڑھتے آرہے تھے اور ان کی نظم جلسے کا مستقل جزبن گئی تھی - علامہ اقبال نے سفر یورپ سے واپسی کے بعد اپریل ۱۹۱۱ء کے جلسے میں "شکوہ" پڑھا۔ یہ جلسہ ریواز ہوسٹل کے صحن میں منعقد ہوا تھا - مولانا مہر اسلامیہ کالج کے طالب علم کی حیثیت سے اسی ہوسٹل میں مقیم تھے - انھوں نے پہلی بار علامہ اقبال کو ایک پبلک جلسے میں سُنا - اس کے بعد انھوں نے خود علامہ کی زبان سے "شمع اور شاعر"، "جواب شکوہ" اور بعض دوسری نظمیں عام جلسوں میں سُنیں، تاہم طالب علمی کے زمانے میں اُنھیں علامہ کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل نہ ہوا۔

مولانا مہر روزنامہ" زمیندار" کے ادارۂ تحریر میں تھے - اُس زمانے میں "زمیندار" کا دفتر دہلی دروازے کے باہر جہازی بلڈنگ میں تھا - ایک روز شام کے وقت شفاعت اللہ خان، مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش اور مولانا مہر سیر کی غرض سے دفتر سے نکلے اور ٹہلتے ٹہلتے لوہاری دروازے سے بھی آگے نکل گئے - وہیں انھیں علامہ اقبال کے رفیق چوہدری محمد حسین مل گئے - شفاعت اللہ خان نے باتوں ہی باتوں میں چوہدری صاحب سے علامہ کا غیر مطبوعہ کلام سنانے کی فرمائش کی - چوہدری صاحب نے حسب ذیل اشعار سنائے -

یہ موجِ پریشاں خاطر کو پیغام لبِ ساحل نے دیا — ہے دورِ وصالِ بحر ابھی تو دریا میں گھبرا بھی گئی
عزت ہے محبت کی قائم اے قیس! حجابِ محمل سے — محمل جو گیا، عزت بھی گئی، غیرت بھی گئی، لیلیٰ بھی گئی
کی ترکِ تگ و دو قطرے نے، تو آبروئے گوہر بھی ملی — آوارگیِ فطرت بھی گئی اور کشمکشِ دریا بھی گئی
نکلی تو لبِ اقبال سے تھی، کیا جانے کس کی تھی یہ صدا — پیغامِ سکوں پہنچا بھی گئی، دل محفل کا تڑپا بھی گئی[۳]

سیر سے واپسی پر شفاعت اللہ خان نے مولانا مہر سے یہ اشعار لکھوائے اور کاتب کے حوالے کر دیے۔ اشعار اخبار میں چھپ گئے - علامہ اقبال ان دنوں کسی کو بلا اجازت اپنا کلام شائع نہیں کرنے دیتے تھے۔ عبدالرزاق حیدرآبادی[۴] اور مولانا عبدالمجید سالک سے یہی غلطی ہوتی تھی اور انھیں عدالت سے سمن پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ اشعار طبع ہونے پر چوہدری محمد حسین دفتر "زمیندار" پہنچ گئے اور انھوں نے دریافت کیا کہ یہ اشعار

---

[۳] بانگِ درا، ص ۵۳

[۴] بانگِ درا کی اشاعت سے پہلے عبدالرزاق حیدرآبادی نے علامہ کی منظومات "کلیاتِ اقبال" کے نام سے شائع کی تھیں۔

ادارۂ زمیندار کو کہاں سے حاصل ہوتے ہیں۔ مولانا مہر نے بتایا کہ کل شام انھوں نے خود ہی تو یہ اشعار سنائے تھے۔ چوہدری صاحب صورت حال سمجھ گئے تاہم انھوں نے مناسب خیال کیا کہ مولانا مہر کو علامہ اقبال کے پاس لے جائیں اور وہ خود اپنی وضاحت پیش کریں۔ چنانچہ دونوں حضرات علامہ کے ہاں انارکلی والے مکان میں حاضر ہوئے۔ مولانا مہر لکھتے ہیں:

"میں چوہدری صاحب کے ساتھ ان کی بارگاہ میں پہنچا۔ میرا دل کانپ رہا تھا۔ چوہدری صاحب نے کہا۔ لیجیے جناب میں مجرم کو لے آیا ہوں۔ حضرت (علامہ) نے پوچھا۔ آپ نے یہ شعر کہاں سے لیے؟ میں نے پورا واقعہ سنا دیا۔ فرمایا آپ سچ کہتے ہیں! میں نے کہا کہ اچھا شعر ایک مرتبہ سن لوں تو نہیں بھولتا۔ آپ چاہیں تو اور شعر سنا کر امتحان لے لیں۔ فرمایا یہ حافظہ تو بڑا خطرناک ہے۔"[۵۵]

اس گفتگو پر معاملہ ختم ہوگیا۔ بارگاہِ اقبال میں مولانا مہر کی یہ پہلی حاضری تھی۔ اس کے بعد علامہ کے ہاں اُن کا آنا جانا شروع ہوا جو علامہ کی مرض الموت تک جاری رہا۔

انقلاب" کا اجرا

مارچ ۱۹۲۷ء میں مولانا مہر اور مولانا سالک نے "زمیندار" سے علیحدگی اختیار کی۔ مولانا مہر یکسوئی کے ساتھ علمی کام کرنا چاہتے تھے لیکن اسی شام اخبار کا پورا عملہ کام چھوڑ کر اُن کے پاس آگیا۔ ان دونوں حضرات نے انھیں بہت سمجھایا کہ وہ "زمیندار" میں بدستور کام کریں، مگر عملے نے بیک زبان انکار کر دیا۔ دونوں حضرات نے ان پندرہ بیس افراد کے گزارے کے لیے ایک اخبار جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ ابھی اخبار کا نام تجویز نہیں ہوا تھا کہ مہر و سالک معمول کے مطابق علامہ سے ملنے گئے۔ علامہ نے انھیں اپنی مشہور نظم "انقلاب، اے انقلاب" سنائی۔ اسی نظم کی بنا پر اخبار کا نام "انقلاب" تجویز ہوا اور یہ نظم پہلی بار "انقلاب" کی پہلی اشاعت (۴ اپریل ۱۹۲۷ء) کے صفحۂ اوّل پر شائع ہوئی۔

"انقلاب" کے اجرا سے مولانا مہر اور علامہ کے درمیان تعلقات مزید گہرے ہو گئے۔ ادبی و علمی رشتوں کے ساتھ سیاسی ہم آہنگی بھی رہی اور "انقلاب" نے علامہ کے افکار و خیالات کو قابلِ تعریف حد تک عوام کے سامنے پیش کیا۔ ہر اہم موقع پر انقلاب کے ذریعے علامہ کی رائے مسلمانانِ ہند کے سامنے آتی رہی۔ سائمن کمیشن اور

---

۵۵ اردو ڈائجسٹ (لاہور) بابت اپریل ۱۹۶۴ء، ص ۳۰

رپورٹ جیسے معاملات پر علامہ کے بیانات اور سرگرمیوں کی اطلاعات کا قابلِ قدر ذخیرہ "انقلاب" کے اوراق پر بکھرا ہوا ہے۔[۵۶]

پرانڈیا مسلم کانفرنس

"انقلاب" نے علامہ کے فکر و فلسفہ اور سیاسی تجاویز کو آگے بڑھایا۔ ۱۹۳۰ء کے آخر میں برصغیر کے دستوری مسئلے کے حل کے لیے لندن میں گول میز کانفرنس ہو رہی تھی اور یہ تاثر عام تھا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کے مفادات متاثر ہوں گے۔ ان حالات میں علامہ اقبال نے پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کے مسلمان راہنماؤں کی کانفرنس بلانے کی تجویز پیش کی۔ مدیرانِ "انقلاب" نے اس تجویز کی بھرپور حمایت کی۔ اداریے لکھے اور صفحۂ اوّل پر مسلسل کانفرنس کا اعلان ان الفاظ میں چھپتا رہا۔

"پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان مسلمان ملک ہیں۔ ان میں اسلام کا جھنڈا بلند رکھو۔"

۲۲ نومبر ۱۹۳۰ء کو علامہ نے مدیرانِ "انقلاب" کو مجوزہ "اپرانڈیا کانفرنس" کے ابتدائی جلسے کی اطلاع دی۔[۵۷] چنانچہ اگلے دن برکت علی اسلامیہ ہال میں لاہور کے ۲۰ مسلمان اکابر کا اجتماع ہوا۔ مدیرانِ انقلاب مفرد سالک موجود تھے۔ علامہ نے اجتماع کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"حالاتِ حاضرہ کے اعتبار سے شمالی ہند کے مسلمانوں کی ایک خاص کانفرنس کا انعقاد ضروری ہے جس میں صوبہ سرحد، بلوچستان، پنجاب و سندھ کے نمائندے شریک ہوں اور ان صوبوں کے مسلمانوں کو اسلامی حقوق کے حصول کے لیے منظم بنانے اور ان میں جوشِ عمل پیدا کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔"[۵۸]

اسی اجتماع میں کانفرنس کے صدر علامہ اقبال، تمام حاضرین اجتماع مجلسِ استقبالیہ کے ارکان، مجید ملک (مدیر "مسلم آؤٹ لک") مجلسِ استقبالیہ کے سیکرٹری اور خان سعادت علی خان خزانچی مقرر ہوئے۔ ۴ دسمبر کو مجلسِ استقبالیہ کا اجلاس علامہ کی کوٹھی پر منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں کانفرنس کے سیکرٹری مولانا سید حبیب مدیر "سیاست" چنے گئے اور یہ فیصلہ ہوا کہ کانفرنس جنوری کے آخری ہفتے میں لاہور میں منعقد ہو، کیوں کہ دسمبر میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہو رہا ہے جس میں علامہ اقبال کو بحیثیت صدر شریک ہونا

---

۵۶ حمید رفیق افضل نے "انقلاب" کی جلدوں سے علامہ کی تقاریر، بیانات اور مضامین "گفتارِ اقبال" میں یکجا کیے

۵۷ انوارِ اقبال، ص ۹۴-۹۵ ۵۸ گفتارِ اقبال، ص ۱۱۲

۳۰ دسمبر ۱۹۳۰ء کو علامہ نے مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد میں خطبہ صدارت پڑھا۔ انھوں نے شمال مغربی ہند میں مسلمانوں کے جداگانہ وطن کا تصور پیش کیا۔ یکم جنوری ۱۹۳۱ء کے "انقلاب" میں علامہ کے خطبے کا مکمل متن شائع ہوا۔ ہندو پریس نے علامہ کے خطبے پر کیچڑ اچھالا مگر "انقلاب" نے مسلسل مدافعت کی۔ "آل انڈیا مسلم کانفرنس" کا چرچا اس کے بعد بھی جاری رہا، مگر یہ کانفرنس بوجوہ منعقد نہ ہو سکی۔

علامہ اقبال کا سفر انگلستان ۱۹۳۱ء

دوسری گول میز کانفرنس ستمبر ۱۹۳۱ء میں شروع ہوئی۔ علامہ اقبال اس کانفرنس میں شرکت کے لیے ۸ ستمبر کو لاہور سے روانہ ہوئے اور ۱۲ ستمبر کو لندن پہنچے۔ یکم اکتوبر کو مولانا مہر بھی لندن پہنچ گئے اور علامہ اقبال کے ساتھ رہے۔ مولانا سالک کے الفاظ میں مولانا مہر کے لندن جانے کا فیصلہ اس لیے کیا گیا کہ "اوّل علامہ کے لیے ایک مخلص رفیق سفر اور ہم خیال دوست کی ہمراہی موجب آسائش ہوگی۔ دوم مہر صاحب اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کی وجہ سے پرائیویٹ طور پر علامہ اقبال اور دوسرے ارکان کانفرنس کے لیے موجب تقویت ہوں گے، سوم وہ روزنامہ "انقلاب" کے لیے گول میز کانفرنس کی روداد قلم بند کر کے بھیجا کریں گے۔"[۵۹]

مولانا مہر نے اس سفر اور علامہ اقبال کی سرگرمیوں کی روداد روزنامہ "انقلاب" کے لیے لکھی۔[۶۰] کانفرنس کے نتائج پر ۲۱ نومبر ۱۹۳۱ء کو علامہ اقبال، مولانا شفیع داؤدی اور مولانا مہر لندن سے روم کے روانہ ہوئے۔ علامہ اقبال روم سے مصر اور فلسطین گئے۔ مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی مرحوم نے اتحاد اسلام کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا تھا اور عالم اسلام کے اکابر کو دعوت دی تھی کہ بیت المقدس میں جمع ہو کر اس منصوبہ اتحاد کو عملی شکل دینے کی تجاویز پر غور کریں اور مسلم دنیا کے مسائل کا حل پیش کریں۔ برصغیر پاک و ہند سے انھوں نے علامہ اقبال، مولانا شوکت علی، مولانا شفیع داؤدی اور مولانا مہر کو اس مؤتمر میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ علامہ نے مؤتمر میں فعال کردار ادا کیا اور مشاورت میں پیش پیش رہے۔ مولانا مہر اقبال کے ساتھ مؤتمر کی مجلس تنفیذیہ کے رکن چنے گئے۔

---

۵۹ ذکر اقبال، ص ۱۵۶

۶۰ محمد حمزہ فاروقی نے روزنامہ "انقلاب" کی جلدوں سے استفادہ کرتے ہوئے "سفرنامہ اقبال" مرتب کیا ہے

علامہ اقبال ۲۸ دسمبر کی صبح کو بمبئی پہنچے۔ لندن سے واپس لاہور تک مولانا مہر اُن کے ہمراہ رہے۔

علامہ اقبال سے مدیرانِ انقلاب کا اختلافِ رائے

۱۹۳۶ء کے آخر تک روزنامہ "انقلاب" کی پالیسی اور علامہ اقبال کے افکار میں ہم آہنگی رہی۔ اس کے بعد مدیران "انقلاب" نے علامہ کی سیاسی فکر سے اختلاف کیا۔ علامہ یونینسٹ پارٹی اور احمدیت کے سخت خلاف تھے۔ "انقلاب" کا یہ مسلک نہیں تھا۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کے الفاظ میں اس زمانے میں "بعض لوگوں نے دخل اندازی کی اور ذاتی اغراض کے لیے غلط فہمی کو ہوا دینے کی کوشش بھی کی۔ دونوں اصحاب (مدیرانِ انقلاب) جاوید منزل جاتے ضرور تھے لیکن نسبتاً کم۔[۱۱] مولانا مہر اپنے ادارتی شذرات میں پنجاب کے مسلم لیگی راہنماؤں کے خلاف کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے۔ تاہم یہ فکر و نظر اور رائے کا اختلاف تھا جس میں ذاتیات کو دخل نہ تھا۔

مولانا مہر کی تصنیفی زندگی

مولانا مہر نے زندگی کا ایک طویل حصہ صحافت و سیاست کی وادی میں گزارا۔ جہاں علمی تحقیق و تنقید کا پودا بارآور نہیں ہوتا۔ مولانا قلم کے دھنی تھے۔ روزنامے کا اداریہ لکھتے اور گاہے گاہے کوئی مضمون بھی قلم بند کر دیتے تھے۔ تاہم اس ہمہ وقتی مصروفیت کے ساتھ علمی کام بھی کرتے رہے۔ سیرت ابن تیمیہؒ اور غالب اسی دور کی تالیفات ہیں۔ ثانی الذکر نے ان کا نام علمی و ادبی حلقوں میں بلند کیا۔ اکتوبر ۱۹۴۹ء میں روزنامہ "انقلاب" نامساعد حالات میں بند ہوا تو ہمہ تن تصنیف و تالیف کے ہو رہے۔ ان کے قلم سے اکسٹھ کتابیں نکلی ہیں[۱۲] جن میں سے کم و بیش ۲۷ تراجم ہیں۔ ان تالیفات و تراجم کے علاوہ سیکڑوں مقالات ہیں جو نصف صدی کے رسائل و جرائد میں منتشر ہیں۔ مولانا مہر ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو فوت ہوئے تو چند اہم کتابیں زیرِ تسوید تھیں۔ اس مضمون میں اُن کی صرف ان ہی کتابوں کا ذکر مقصود ہے جو "اقبالیات" سے متعلق ہیں۔

اقبالیات میں مولانا مہر کا حصہ

مولانا غلام رسول مہر علامہ کے احوال و آثار پر بہت کچھ لکھنا چاہتے تھے۔ علامہ اقبال کی رحلت پر

---

۱۱ افاداتِ مہر، ص ۷۶

۱۲ ماہنامہ "فنون" (لاہور) بابت جولائی۔ اگست ۱۹۷۵ء، ص ۲۳

پر انھوں نے لکھا تھا:

"اقبال کی شخصیت اور تعلیم پر بہت کچھ لکھنا ہے۔ اگر حیاتِ مستعار باقی ہے تو یہ ایک بہت بڑا فرض ہے کہ جو کچھ اپنی آنکھوں سے برسوں دیکھا اُسے دنیا تک پہنچایا جائے۔"[۱۳]

ایک دوسرے موقع پر اپنے ارادوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

"اقبال کے سلسلے میں بہت سے گراں قدر کام ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مہلت اور توفیق مرحمت فرمائے تو وہ ضرور انجام پانے چاہئیں۔ ان میں سے ایک نہایت اہم اور ضروری کام ان کی سیرت کا بھی ہے۔ اس میں جو کچھ ہونا چاہیے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مگر ظاہر ہے مقصود یہ نہیں کہ ان کی زندگی کے بعض معروف و غیر معروف واقعات کو ایک خاص ترتیب سے پیش کر دیا جائے۔ مقصود یہ ہے کہ ایک ایسی کتاب مرتب ہو جائے جس میں ایک طرف اس مرحوم کی جیتی جاگتی تصویر آنکھوں کے سامنے آجائے۔ دوسری طرف اس کے کلام کی تمام ارتقائی منزلیں واضح طور پر متعین ہو جائیں تاکہ اُسے پڑھ کر اقبال کا مطالعہ کرنے کے شائقین کتابیں دیکھنا شروع کریں تو ان کے ذہنوں میں شخصیت کا روشن و متعین تصور موجود ہو اور وہ کتاب اس سفر کے لیے شدِ رحال کرنے والوں کو زادِ راہ کا کام دے سکے۔ اب تک اپنے علم و ہنر کی بے مائگی دامن کش رہی لیکن اب محسوس ہوتا ہے کہ اگر سالہا سال اس دریائے فضائل و مکارم کے کنارے گزار چکنے کے بعد استفادہ و استفاضہ کا اتنا حق بھی ادا نہ ہو سکا تو یہ مجرمانہ کوتاہی ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ حق ادا کرنے اور یہ فرض بجا لانے کی ہمت عطا فرمائے۔ امین"[۱۴]

مولانا مہر نے علامہ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے دوبار سیالکوٹ کا سفر کیا اور علامہ کے احباب سے ملاقاتیں کیں[۱۵] تاہم مولانا مہر علامہ کی کوئی سوانح حیات ترتیب نہ دے سکے۔ "اقبالیات" کے سلسلے میں انھوں نے حسبِ ذیل کام کیا ہے۔

"سرودِ رفتہ" کی تدوین

علامہ اقبال نے "بانگِ درا" اور دوسرے مجموعے مرتب کرتے ہوئے اپنا بہت سا کام ترک کر دیا تھا یا اس میں "اصلاح" کر لی تھی۔ اقبالیات کے طالب علم بجا طور پر یہ چاہتے تھے کہ ابتدا میں علامہ نے کیا سوچا

---

[۱۳] اقبال نامہ، ص ۴۷

[۱۴] سرودِ رفتہ، ص ۴۲

[۱۵] اقبال درونِ خانہ، ص ۱۸

اور اس کے اظہار کے لیے کیا پیرایہ اختیار کیا؟ بعد میں معمولی ترمیم سے فکر نے کیا بلندیاں طے کیں۔ اس نقطۂ نظر سے علامہ کا متروک کلام یکجا کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ اس سلسلے کی ایک کوشش مولانا مہر کے دوست جناب صادق دلاوری نے کی۔ انھوں نے رسائل و جرائد سے علامہ کا متروک اور اصلاح شدہ کلام یکجا کیا۔ مولانا مہر نے حواشی و تعلیقات کا اضافہ کیا اور پُرمغز دیباچہ لکھا۔ یہ مجموعہ "سرودِ رفتہ" کے نام سے طبع ہوا۔

کلامِ اقبال کی جدید طباعت

کلامِ اقبال کے تمام مجموعے بار بار طبع ہوتے رہے، البتہ کتابت وہی رکھی گئی جو منشی عبدالمجید پروین رقم کے قلم کا شاہکار تھی۔ بار بار کی سنگ سازی سے طباعت کی چند غلطیاں راہ پا گئی تھیں، نیز پہلے جیسی نفاست بھی برقرار نہیں رہی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر جاوید اقبال نے از سر نو کتابت کرائی اور "کلیاتِ اقبال" اردو و فارسی کی شکل میں کلامِ اقبال طبع ہوا۔ مولانا مہر نے کلامِ اقبال کی طباعتی اغلاط درست کرنے میں ڈاکٹر جاوید اقبال سے بھرپور تعاون کیا۔ ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

"مولانا نے نہ صرف ان معلومات کی تصحیح میں میرا ہاتھ بٹایا بلکہ شروع سے لے کر کتابت کے آخری مرحلے تک جس شفقت و محبت سے میری رہنمائی کی اس کا بیان الفاظ کی گرفت سے باہر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا مہر کی راہنمائی کے بغیر میں اس عظیم مہم سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا تھا۔"[۱۶]

شروحِ کلامِ اقبال

مولانا مہر نے اسرار و رموز، بانگِ درا، ضربِ کلیم اور بالِ جبریل کی شرحیں قلم بند کی ہیں۔ اُن کے پیشِ نظر طلبا اور عوام کی ضرورت تھی جو اقبال کو آسان زبان اور مختصر وقت میں سمجھنا چاہتے تھے، چنانچہ حلِ لغات کے ساتھ مختصر شرح لکھی گئی ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کے خیال میں "مہر نے غالب و اقبال کے کلام کی عمدہ شرحیں لکھی ہیں لیکن محسوس ہوتا ہے کہ یہ معاشی مجبوری کے زمانے کا کام ہے"[۱۷]

... نے مستقل بالذات "مطالب" کے علاوہ اپنے مضامین میں بعض نظموں کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ علامہ کے شعری مقام کے غایت درجہ معترف ہیں۔ خضرِ راہ کے مصرعہ

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

---

۱۶ کلیاتِ اقبال (فارسی)، اعتذار

۱۷ ماہنامہ "فنون" بابت جولائی۔ اگست ۱۹۷۵ء، ص ۲۳

پر تبصرہ کرتے ہیں:

"ایسے شعر دنیائے ادب میں بہت کم ملیں گے۔ دو جملوں میں جو صرف نو لفظوں پر مبنی ہیں اور حقیقتاً تین لفظوں پر (یعنی جان اور تسلیم جان) اتنی بڑی حقیقت بیان نہیں کی جا سکتی اور شعریت عالیہ کے انداز میں۔ یہ دماغی کاوش کا کام نہیں۔ رحمت الٰہی کا کرشمہ ہے اور اقبال کے کلام میں ایسے کرشمے بہت ہیں۔"[۱۸]

اسی طرح "شکوہ" کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے:

"اقبال کی ہر نظم اپنی جگہ یگانہ ہے مگر شکوہ میں کمال یہ کیا ہے کہ وہ بیک وقت شکوہ بھی ہے، عرض حال بھی اور مسلمانوں کے لیے دعوت عمل بھی۔ کوئی ایسی نظم کم از کم میری نظر سے نہیں گزری جو تین مختلف وظیفے بطریق احسن ادا کرتی ہو۔"[۱۹]

مولانا مہر نے ایک انٹرویو میں علامہ کی شاعری اور ان کے پیغام پر ان الفاظ میں اظہار خیال کیا:

"میں اقبال کو ایک ایسا بلند پایہ شاعر ہی نہیں داعی سمجھتا ہوں جو صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اقبال میں شاعری کے بہترین جوہر موجود تھے مگر دراصل شاعری اس کے پیغام و دعوت عمل کا ایک حسین اور دلکش لباس تھی۔ اس نے اسلام کی روح اور اس کے تقاضوں کو اپنے اندر اس طرح جذب کر لیا تھا کہ اس کے بیشتر اشعار قرآن اور حدیث کے مطالب کی تفسیریں ہیں۔ جو لوگ مرحوم کے افکار عالیہ کے نظائر مغربی فلسفے میں ڈھونڈتے ہیں یا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اقبال نے فلاں فلاں چیزیں مغرب سے لیں، ان پر مجھے سخت تعجب ہوتا ہے۔ ہر فرد اپنے عہد تک کے علمی ذخیروں سے کم و بیش استفادہ کرتا ہے۔ اقبال نے بھی یقیناً استفادہ کیا لیکن اس کا اصل جوہر اسلام ہے۔ اس نے جو کچھ حاصل کیا وہ سب کچھ اسلام اور حقائق اسلام کی دعوت میں صرف ہوا۔ اقبال کی شاعری ترقی و ارتقا کے مختلف مدارج طے کرتی رہی۔ میری نگاہ میں ارمغان حجاز اقبال کا شاہکار ہے۔ اس تخلیق میں شاعر نے عقلیت اور جذبات کو ایک حسین امتزاج کے ساتھ سمویا ہے۔ میرے نزدیک اعلیٰ ترین شعر وہ ہے جو بیک وقت ایک حقیقت بھی محسوس ہو اور جذبہ بھی ـــــ یعنی دل کو بھی متاثر کرے اور عقل بھی اس پر لبیک کہے۔ ارمغان حجاز کی اکثر رباعیاں ایسے اشعار کی زندہ مثالیں ہیں۔ میری نظر سے شاعری کا ایسا بیش بہا مجموعہ کوئی نہیں گزرا۔"[۲۰]

---

۱۸ افادات مہر، ص ۱۷۹

۱۹ ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ" بابت اپریل ۱۹۶۴ء، ص ۲۶

۲۰ ملاقاتیں، ص ۱۸۹

روزنامچہ اقبال

علامہ اقبال دسمبر ۱۹۲۲ء میں انارکلی سے میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں منتقل ہوئے۔[۲۱] ان دنوں مولانا مہر کا مکان دل محمد روڈ پر تھا۔ دونوں گھروں کے درمیان پانچ سات منٹ سے زیادہ کا راستہ نہ تھا۔ چوہدری محمد حسین اور مولانا مہر کا معمول تھا کہ رات کو بالالتزام ایک دو گھنٹے کے لیے علامہ کی خدمت میں آتے اور اُن سے استفادہ کرتے تھے۔ ۱۹۳۲ء تک وہ دن انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جن میں مولانا مہر نے علامہ کی بارگاہ سے استفادہ نہ کیا ہو۔[۲۲] مولانا مہر نے مسلم ٹاؤن میں کوٹھی بنوائی تو شہر سے باہر چلے گئے تاہم علاّمہ سے ملاقاتیں جاری رہیں۔ ان ملاقاتوں میں مولانا مہر نے علاّمہ سے خوب خوب اکتسابِ فیض کیا۔ علاّمہ کی رحلت پر انھوں نے لکھا تھا:

"ابھی صدمہ بہت تازہ ہے اور صدمہ محض دنیا کی ایک بلند مرتبہ اور عالم گیر شخصیت ہی کا نہیں بلکہ ایک ایسے بزرگ کا بھی ہے جس کے ساتھ خون اور نسب کا اگرچہ کوئی رشتہ نہ تھا لیکن ذاتی تعلقات خویشوں سے بڑھ کر تھے۔ پھر ایک برس دو برس نہیں بلکہ بیس بائیس کی ہوش مندانہ زندگی کے سارے خط و خال اس کی شفقت بار صحبت میں درست ہوئے اور علم کے دامن میں جو بضاعت مزجات نظر آتی ہے، یہ اسی کے فیضانِ راہنمائی کی برکت ہے۔"[۲۳]

مولانا مہر بنیادی طور پر ایک مورخ تھے۔ بلا کا حافظہ، وسیع مطالعہ اور قلم و قرطاس سے لگاؤ۔ یہ سب خوبیاں ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ علامہ کی مجلس میں اہم مسائل و معاملات پر جو گفتگو ہوتی یا علامہ کوئی نظم یا غزل سناتے، کوئی لطیفہ ہوتا یا کوئی پروگرام بنتا۔ مولانا مہر گھر آکر اُسے مورخانہ احتیاط کے ساتھ قلم بند کر لیتے تھے۔ اس طرح اُن کے پاس علامہ کے فرمودات کا ایک روزنامچہ تیار ہو گیا تھا۔ اقبال دوستوں کی خواہش تھی کہ یہ روزنامچہ مرتب ہو جائے۔ چنانچہ انھوں نے کام شروع کر دیا تھا۔ ۳۰ اگست ۱۹۷۱ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"پچھلی مرتبہ بیمار ہوا اور بیماری نے تین مہینے تک طول کھینچا تو اس بات کا دل پر بڑا بوجھ تھا کہ میری دو کتابیں تجویز ہی کی حد تک رہ گئیں۔

۲۱ھ حیات نامہ اقبال مشمولہ نقوش اقبال نمبر (شمارہ ۱۲۱)، ص ۱۵

۲۲ھ اوراقِ گم گشتہ، ص ۳۸۶ ۲۳ھ اقبال نامہ، ص ۳، ۴۷۷

ایک مولانا آزاد مرحوم پر اور دوسری علامہ اقبال مرحوم کا روزنامچہ جو میں نے ایک زمانے میں لکھنا شروع کیا تھا لیکن آخر تک جاری نہ رہ سکا تاہم ان کی بے شمار باتیں میری یادداشتوں میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ اب جسم میں ذرا توانائی آئی تو سوچتا رہا کہ کیا کروں؟ ——— (مولانا آزاد سے متعلق) کتاب شروع کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسے پایۂ اتمام پر پہنچائے۔ اقبال کا روزنامچہ بھی جلد تیار ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔"[۲۴]

مولانا آزاد پر موصوف اپنا کام مکمل نہ کر سکے تاہم انھوں نے جو کچھ لکھا تھا۔ نقوش (شمارہ - ۱۲۰) میں طبع ہو گیا ہے۔ "روزنامچہ اقبال" کے بارے میں اس قدر اطلاع ملتی ہے کہ وہ یہ کام ختم کر چکے تھے۔ روزنامچہ کا مسودہ کہاں ہے؟ اس پر مولانا کے صاحبزادے یا مولانا کے احباب ہی کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں۔ روزنامچے کی اشاعت پر بہت سی شگفتہ داستانیں اور علمی نکات منظرِ عام پر آئیں گے تاہم مولانا مہر نے موقع بموقع علامہ کی صحبتوں کا فیضان اپنی تحریروں میں پیش کیا۔ "مکاتیبِ اقبال بنام گرامی" کی تمہید و تعارف میں لکھتے ہیں:

"حضرت اقبال کی زبان مبارک سے مولانا گرامی کے جو واقعات بارہا سُنے، انھیں بیان کیا جائے تو ایک کتاب تیار ہو جائے۔ تاہم چند کہانیاں اس مجموعۂ مکاتیب میں بیان نہ ہوں گی تو اور کہاں لکھی جائیں گی۔"[۲۵]

اس کے بعد مولانا گرامی کے انہماک فی الشعر اور سادگی طبع پر دو واقعات لکھے ہیں۔ اسی طرح "اقبال درونِ خانہ" کے پیش لفظ میں اپنی یادداشت کے حوالے سے لکھا ہے:

"اُن کے بعض معاملات بڑے ہی عجیب تھے ----- ایک مرتبہ گرمیوں میں گردے کی تکلیف ہوئی اور وہ کئی روز بیمار رہے۔ میں دوپہر کے وقت دفتر جاتے جاتے مزاج پرسی کے لیے حاضرِ خدمت ہوا ----- اسی اثنا میں ایک اور صاحب بھی عیادت کے لیے آ گئے اور میرے پاس بیٹھ گئے۔ یکایک حضرت (اقبال) مرحوم نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا، مہر صاحب! تکلیف انسان پر اس کے نفس کی طرف سے آتی ہے یا اللہ کی طرف سے؟ میں جواب میں حدیثِ جبریل سے وہ الفاظ دہرا دینا چاہتا تھا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے سوال پر فرمائے تھے، یعنی:

ما المسئول باعلم من السائل

جس سے پوچھا گیا ہے اس کا علم پوچھنے والے سے زیادہ نہیں۔

---

[۲۴] افاداتِ مہر، ص ۲۵۰ [۲۵] مکاتیبِ اقبال بنام گرامی، ص ۶

لیکن میں کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ جو صاحب میرے پاس بیٹھے تھے، بول اٹھے! ڈاکٹر صاحب! سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

یہ سنتے ہی اُن پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ پہلے چیخ نکلی پھر روتے روتے کہتے جاتے کہ اگر یہ تکلیف اللہ کی طرف سے ہے تو میری توبہ، میری توبہ، میری توبہ۔ میں نے کیوں شکوہ کیا؟ طبیعت کے معمول پر آنے پر پانچ سات منٹ صرف ہوگئے"[۲۶]

علامہ نے "رموز بے خودی" میں "حکایت شیر و شہنشاہِ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ"[۲۷] لکھی ہے۔ حکایت تاریخی سند کے اعتبار سے درست نہیں ہے۔ سید قدرت نقوی کے نام ایک خط میں علامہ کا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں:

"آپ جانتے ہیں شعرا کو افسانوں کی درستی و نادرستی سے کچھ کام نہیں ہوتا، وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ جو افسانہ مسلماتِ ادب میں شامل ہوگیا ہے اس سے بے تکلف کام لیں ---- اقبال نے رموز بے خودی میں عالمگیر کا ایک قصہ نقل کیا ہے جس کی کوئی اصل کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ میں نے خود ایک مرتبہ اُن سے پوچھا کہ اس قصے کی اصل کیا ہے؟ فرمایا مجھے اصل سے کیا تعلق؟ ایک قصہ مجھے اپنے مطالب کے لیے موزوں معلوم ہوا اور میں نے اس سے کام لے لیا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو تاریخی اعتبار سے غلط ہے اور آپ تاریخ کو بگاڑ رہے ہیں یعنی غلط واقعات لوگوں میں پھیلا رہے ہیں۔ فرمایا: جو لوگ میری کتاب کو تاریخی حقائق پر محمول کرتے ہیں وہ خود غلط اندیش ہیں۔ یہ شعر کی کتاب ہے اسے تاریخ سے کیا تعلق؟"[۲۸]

مقالات

مولانا مہر نے وقتاً فوقتاً علامہ اقبال سے متعلق مقالات لکھے۔ بعض کتابوں کے دیباچے ان کے قلم سے ہیں۔ سرسری جستجو سے حسبِ ذیل مقالات اور دیباچے معلوم ہو سکے ہیں:

۱۔ عظمت موت کے دروازے پر (مشمولہ اقبال نامہ ـ چراغ حسن حسرت)

۲۔ اقبال ـ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اور مولانا مہر کے قلم سے یہ مقالہ اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ جلد سوم (پنجاب یونیورسٹی لاہور) میں شامل ہے۔

۲۶ـہ اقبال درونِ خانہ، ص ۲۷-۲۸   ۲۷ـہ کلیاتِ اقبال، ص ۶۶-۶۸

۲۸ـہ سہ ماہی اُردو (کراچی) اپریل تا جون ۱۹۶۹ء، ص ۱۲۱

۳۔ ارمغانِ حجاز کی ایک رباعی "سرود" یا "سرود" (مشمولہ اقبال ریویو۔ جنوری ۱۹۶۹ء)

۴۔ علامہ اقبال اور مولانا آزاد (ہفت روزہ چٹان۔ لاہور یکم مئی ۱۹۶۷ء)

۵۔ تمہید و تعارف مکاتیبِ اقبال بنام گرامی (اقبال اکادمی کراچی ۱۹۶۹ء)

۶۔ خضرِ راہ (مشمولہ "مکاتیبِ اقبال بنام گرامی")

۷۔ پیش لفظ اقبال درونِ خانہ (بزمِ اقبال لاہور۔ ۱۹۷۱ء)

ال اور ابوالکلام آزاد

مولانا غلام رسول مہر بی۔ اے کے سالِ اوّل میں تھے کہ ہفت روزہ "الہلال" کے ذریعے مولانا ابوالکلام سے متاثر ہوئے۔ ان کی قائم کردہ تنظیم "حزب اللہ" میں شامل ہوئے، ان کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کی اور م تک ان کے عقیدت مند رہے۔ مولانا مہر نے مولانا آزاد کے مکتوبات کے دو مجموعے "نقشِ آزاد" اور تِ آزاد" مرتب کیے۔ ان کے علاوہ مولانا کی تحریروں سے "رسولِ رحمت" اور "باقیاتِ ترجمان القرآن" وقیع کتابیں ترتیب دیں۔ مولانا آزاد کی مستقل سوانح حیات لکھ رہے تھے کہ داعیِ اجل کا پیغام آگیا۔

مولانا آزاد انڈین نیشنل کانگرس کے سرکردہ راہنماؤں میں سے تھے اور ان کی سوچ پر کانگرس کے سیاسی نظر کی چھاپ تھی۔ اس کے برعکس علامہ اقبال کانگرس کی متحدہ قومیت کے زبردست ناقد تھے اور انھوں صغیر پاک و ہند کے مسئلے کا حل تقسیمِ وطن کی صورت میں پیش کیا تھا۔

مولانا مہر، علامہ اقبال اور مولانا آزاد دونوں نابغہ روزگار ہستیوں کے گرویدہ تھے، ان سے بجا طور پر آزاد اور اقبال کے باہمی مراسم کے بارے میں استفسار کیا جاتا تھا۔ اس انداز کے ایک سوال پر مولانا مہر ھا۔

"مولانا (آزاد) کے متعلق یہ غلط فہمی خاص طور پر پھیلی ہوئی ہے کہ انھوں نے اپنی تحریرات میں اقبال کے شعر نقل کیے۔ یہ معاملہ نافہمی پر مبنی ہے۔ اوّل یہ صحیح نہیں کہ اقبال کا کوئی بھی شعر نقل نہیں کیا۔ بعض اشعار موجود اس وقت مثالیں ذہن میں نہیں آتیں۔ اگرچہ بہت کم ہیں۔ وجہ یہ اور صرف یہ ہے کہ انسان کے ذہن میں

---

۲۹ غبارِ خاطر۔ مکتوب ۱۸ مارچ ۱۹۴۳ء میں علامہ کا یہ شعر ملتا ہے:

تا تو بیدار شوی، نالہ کشیدم ورنہ   عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

(ص ۲۴۸)

زیادہ تر وہی اشعار محفوظ رہتے ہیں جو ابتدائی دور میں پڑھے ہوں۔ پختگی کے دور میں جو شعر پڑھے جائیں وہ استحضار میں اُن اشعار کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اقبال کے اشعار مولانا کو زیادہ تر ۱۹۲۰ء کے بعد پڑھنے کا موقع ملا۔ دونوں میں دوستانہ تعلق بہت گہرا تھا اگرچہ آخری دور میں کسی قدر اجنبیت سی پیدا ہو گئی تھی۔[۱۳۰]

خطوطِ اقبال بنام مہر

مولانا مہر کے نام علامہ کے ۲۳ خطوط محفوظ ہیں[۱۳۱] پہلا خط ۷ دسمبر ۱۹۲۴ء کا اور آخری خط ۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء کا مرقومہ ہے۔ ایک خط "مہر و سالک" کے نام ہے۔ ایک "جناب مہرین" کے تخاطب سے شروع ہوتا ہے جس سے مہر و سالک دونوں مراد ہیں۔ ایک خط لاہور کے چند اہلِ علم کے نام مشترکہ طور پر لکھا گیا ہے۔ باقی خطوط ڈیر چوہدری غلام رسول، ڈیر مہر صاحب، ڈیر چوہدری صاحب اور جناب مدیر انقلاب کے سرناموں سے شروع ہوتے ہیں۔ ان خطوط میں سے بعض سیاسی معاملات سے متعلق ہیں۔ چند ایک دوستانہ باتوں اور اطلاعات پر مبنی ہیں۔

خطباتِ مدراس کی تیاری کے زمانے کے خطوں میں علامہ نے ان سے کتابیں منگوائی ہیں۔ مثلاً ایک خط میں الطرق الحکمیہ، اعلام الموقعین اور کتاب التقدیر (تالیفات امام ابن قیمؒ) کے لیے لکھا ہے۔ ۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو علامہ نے لاہور کے چند اہلِ علم کو "نہایت ضروری امر" میں مشورے کے لیے بلایا۔ ان اہلِ علم میں مولانا غلام مرشد، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا ظفر علی خان، سید حبیب، مولوی نور الحق اور سید عبدالقادر کے ساتھ مولانا مہر بھی شامل ہیں۔

---

۱۳۰ افاداتِ مہر، ص ۱۷۹-۱۸۰

۱۳۱ نقوش مکاتیب نمبر (حصہ اول)، ص ۹۳-۲۱۷، انوارِ اقبال ص ۸۸-۱۰۸